ڈاکٹر روبینہ شہناز

صدر شعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد

حلقہ اربابِ ذوق اور ادب برائے ادب

Dr Rubina Shehnaz

Head, Department of Urdu, NUML, Islamabad.

Halqa Arbab e Zauq: Literature for Literature's Sake

In twentieth century, Urdu literature manifests a vast influence of two great thinkers Freud and Marx. Progressive movement was based on Marxist theory whereas the influence of Freudian psychology can be seen on the writers associated with Halqa Arbab e Zauq. Mostly it is believed that the writers and critics of Halqa were of the famous view "literature for literature's sake". In this article critical and literary trends of Halqa Arabab e Zauq are discussed in this context.

انیسویں صدی تک کا اردو ادب اس صدی کے آخر تک آتے آتے اگرچہ کئی اعتبار سے جدید ہو چکا تھا لیکن اس کا مجموعی مزاج بہر حال کلاسکیت کے قریب ہی رہا۔ غالب، سرسید احمد خان، آزاد، حالی اور دیگر ادیبوں کے ہاں نئے ادبی معیارات اور جدید فکر کے نشانات ملتے ہیں لیکن اس جدتِ فکر اور جدتِ ادا کا صحیح معنوں میں اظہار بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ہوا۔ اس دور میں جن دو مفکرین کے افکار کے اثرات ادب پر نمایاں ہیں، فرائڈ اور مارکس ہیں۔ فرائڈ کے افکار کا تعلق بنیادی طور پر نفسیات سے اور مارکس کے افکار کا تعلق بنیادی طور پر معاشیات سے ہے لیکن ان کے فکری عناصر میں جس طرح انسانی زندگی اور اس کے ارتقا کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے، اس نے ان کا دائرہ تمام سماجی علوم اور ادب پر پھیلا دیا۔ بیسویں صدی کے آغاز پر ہی اردو ادب میں حقیقت نگاری اور رومانویت، دونوں رویوں نے بیک وقت جنم لیا۔ اس طرح دو متوازی دھاروں کی صورت میں حقیقت نگاری اور رومانویت ساتھ ساتھ چلتی رہی۔ تاہم بیسویں صدی کے آغاز پر رومانویت کے زیر اثر لکھنے والے تعداد میں بھی زیادہ تھے اور ادبی اقدار کے اعتبار سے بھی نمایاں تھے، یوں رومانویت ایک تحریک کی صورت میں سامنے آئی۔ بیسویں

صدی کی چوتھی دہائی میں ترقی پسند تحریک کا آغاز ہوا تو وہ مارکسی فکر جو اس سے پہلے انفرادی سطح پر مختلف لکھنے والوں کے ہاں موجود تھی، اسے ایک اجتماعی سمت میسر آئی اور یہ ترقی پسند تحریک کی بنیاد قرار پائی۔ اس فکر کے تحت ترقی پسند تحریک نے زندگی کے اجتماعی مسائل سے زیادہ سروکار رکھا اور حقیقت نگاری اور واقعیت کو اسلوب کے طور پر پسند کیا۔ اس دور میں رومانویت پس منظر میں چلی گئی جو بنیادی طور پر انسان کی داخلی زندگی اور شخصی مسائل سے زیادہ سروکار رکھتی تھی۔ جب حلقہ ارباب ذوق کا پلیٹ فارم سامنے آیا تو اس نے پھر سے خارجی زندگی سے زیادہ انسان کے داخلی اور نفسیاتی معاملات سے دلچسپی کا اظہار کیا اور ادب کے فنی اور جمالیاتی پہلوؤں کو اوّلیت دی۔ ڈاکٹر انور سدید ترقی پسند تحریک اور حلقہ ارباب ذوق کے ان رویوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ترقی پسند تحریک نے افقی جہت اختیار کی اور اجتماعی عمل کو مادی سطح پر بروئے کار لانے کی کوشش کی۔ حلقۂ اربابِ ذوق نے عمودی جہت اختیار کی اور اس نے اجتماع میں گم ہو جانے کے بجائے ابنِ آدم کو اپنی شخصیت کے عرفان کی طرف متوجہ کیا۔ ایک تحریک کا عمل بلاواسطہ، خارجی اور ہنگامی تھا اور دوسری کا عمل بالواسطہ، داخلی اور آہستہ رو، چنانچہ ان دونوں تحریکوں نے نہ صرف اپنے عہد کے ادب کو متاثر کیا بلکہ دو الگ الگ اسلوبِ حیات بھی پیدا کیے۔ ترقی پسند تحریک نے مادی وسائل پر فتح حاصل کرنے کی سعی کی جبکہ حلقۂ اربابِ ذوق نے مادیت سے گریز اختیار کر کے روحانیت اور داخلیت کو فروغ دیا۔(۱)

بنیادی نظریات وافکار اور ادبی رویوں میں اختلاف بلکہ تضاد کے باوجود حلقہ ارباب ذوق کے قیام کا مقصد ترقی پسند تحریک کے مقابل کسی نئی تحریک کا آغاز کرنا نہیں تھا۔ ڈاکٹر اعجاز راہی لکھتے ہیں کہ ''بعض تنقید نگاروں نے حلقے کے تشخص کو عصری شعوری رو کے متحارب دکھا کر اسے ترقی پسند تحریک کے بالمقابل کھڑا کرنے کی کوشش کی۔''(۲) لیکن یہ بات بعض تنقید نگاروں کی اپنی اختراع کی ہوئی نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے کہ بعض ترقی پسند ادیبوں نے حلقے کے پلیٹ فارم کو اپنے مخالف ادارے کے طور پر دیکھا۔ تاہم حلقے کے ادیبوں کی طرف سے ترقی پسند تحریک سے نظریاتی اختلاف کا اظہار تو ہوتا رہا لیکن بطور ایک تحریک کے حلقے نے ترقی پسند تحریک یا ان میں سے کسی لکھنے والے پر اپنے دروازے بند نہیں کیے۔

تاریخی حوالے سے اگر حلقے کے قیام کی صورت حال کو دیکھا جائے تو چند ہم خیال لکھنے والوں کی ایک نجی اور ذاتی سی انجمن سے زیادہ اس کا کوئی محرک نہیں تھا۔ نصیر احمد جامعی، جو بعد میں اس بزم کے پہلے سیکرٹری بھی منتخب ہوئے، اس کے محرک تھے۔ دیگر ارکان میں نسیم حجازی، تابش صدیقی، محمد فاضل، اقبال احمد، محمد سعید، عبدالغنی اور شیر محمد اختر شامل تھے۔ بقول شیر محمد اختر:

> مَیں میوہ منڈی کے قریب رہتا تھا۔ ایک روز بازار میں نصیر احمد جامعی سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے مشورہ دیا کہ مل بیٹھنے کا کوئی طریقہ نکالا جائے۔ میں نے ان سے اتفاق کیا۔ وہ ان دِنوں لکشمی مینشن (میکلوڈ روڈ) کے عقب میں رہائش پذیر تھے۔ چنانچہ حلقۂ اربابِ ذوق کا پہلا جلسہ انھی کے مکان پر ہوا۔ حلقے کا نام ''بزمِ داستان گویاں'' رکھا گیا۔(۲)

حفیظ ہوشیار پوری کی صدارت میں اس بزم کا پہلا اجلاس ۲۹ اپریل ۱۹۳۹ء کو ہوا۔ بنیادی طور پر یہ افسانہ نگاروں کی انجمن تھی اور اس میں افسانہ نگار اپنے افسانے پیش کرتے جن پر بعد میں بات چیت کی جاتی۔ دسویں جلسے سے اس میں شعری تخلیقات پیش کرنے کا فیصلہ ہوا تو نام بدلنے کی تجویز بھی زیرِ غور آئی جو مشاورت کے بعد ''حلقہ اربابِ ذوق'' رکھا گیا۔ بعدازاں جب حلقے کو باقاعدہ ایک پلیٹ فارم کی شکل مل گئی تو اس کے اغراض و مقاصد بھی طے کیے گئے، جو یہ تھے:

۱۔ اردو کی ترویج و اشاعت کرنا

۲۔ نوجوان لکھنے والوں کی تعلیم و تفریح

۳۔ اردو لکھنے والوں کے حقوق کی حفاظت کرنا

۴۔ تنقیدی ادب میں خلوص و بے تکلفی پیدا کرنا

۵۔ اردو ادب اور صحافت کے ناسازگار ماحول کو صاف کرنا۔(۳)

ان مقاصد سے کہیں اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ خاص طور پر ترقی پسند یا کسی اور تحریک کی مخالفت میں ہیں۔ یوں بھی ترقی پسند تحریک کا تنظیم کے طور پر آغاز ۱۹۳۶ء میں ہوا اور ''بزم داستان گویاں'' کی داغ بیل ۱۹۳۹ء میں رکھی گئی۔ اس مختصر سے عرصے میں قرین قیاس نہیں کہ ترقی پسند تحریک کی مخالفت کسی تنظیمی سطح پر کرنے کی ضرورت پیش آئے۔ اصل بات یہ ہے کہ حلقہ ارباب ذوق کی سرگرمیوں کو ایک خاص سمت تب ملی جب میراجی اس سے منسلک ہوئے۔ میراجی کا مغربی علوم اور ادب کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ وہ ان لکھنے والوں میں سے تھے جنھوں نے اوّل اوّل اردو میں مغربی اور خاص کر فرانسیسی ادیبوں اور ان کی تحریروں کو متعارف کروایا۔ اس وسیع مطالعے کے اثرات نہ صرف ان کی تخلیقی تحریروں میں ملتے ہیں بلکہ تنقیدی مضامین اور ادبی معیارات کے حوالے سے بھی وہ فرانسیسی ادب سے متاثر نظر آتے ہیں۔ اس دور کے فرانسیسی ادیبوں پر فرائڈ کے افکار و نظریات کے اثرات بہت زیادہ تھے۔ اور وہ انسانی نفسیات اور زندگی کے داخلی معاملات سے زیادہ سروکار رکھتے تھے۔ یوں جس طرح ترقی پسند تحریک کے پلیٹ فارم سے مارکس کے نظریات کی ترویج ہو رہی تھی، حلقہ اربابِ ذوق کے پلیٹ فارم سے حلقے میں میراجی کی مرکزیت کی وجہ سے فرائڈ کے نظریات کی طرف جھکاؤ ہونے لگا۔ مارکسی فکر کے جس پہلو پر ترقی پسند تحریک نے زور دیا، اس کا زیادہ تر تعلق انسان کی خارجی زندگی اور اقتصادی معاملات کے ساتھ تھا۔ اس کے برعکس آغاز کے کچھ عرصہ بعد حلقہ ارباب ذوق میں فرائڈ کے افکار و نظریات کے اثرات نمایاں رہے جن کا تعلق انسانی نفسیات اور داخلی زندگی سے تھا۔ لہٰذا اس فکری اختلاف کے باعث یہ تاثر پیدا ہوا کہ شاید حلقہ ترقی پسندی کی مخالفت میں قائم کیا گیا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر رشید امجد لکھتے ہیں:

> مجموعی طور پر حلقہ ترقی پسند تحریک کا ردِعمل تو نہ تھا لیکن دونوں کے ادبی رویے مختلف ضرور تھے۔۔۔ دونوں میں بنیادی اختلاف ادبی طریقہ کار اور فن پارے کی تخلیقی جانچ پرکھ کا تھا۔ حلقہ کے لوگ بھی عصری شعور رکھتے تھے لیکن وہ ادب میں بے رنگی کے قائل نہ تھے۔ وہ انسان کو اس کی کلیت کے حوالے سے دیکھنا اور سمجھنا چاہتے تھے، اسی طرح ادب کے مطالعے کے سلسلے میں بھی وہ کسی مخصوص نقطۂ نظر تک محدود نہ تھے۔(۴)

ترقی پسند تحریک اور حلقہ ارباب ذوق میں فروغ پانے والے ان رویوں کو نقادوں نے مغربی تنقید میں معروف ادب کے دو رویّوں ''ادب برائے ادب'' اور ''ادب برائے زندگی'' کے تناظر میں دیکھا۔ ترقی پسند تحریک کے ادبی رجحانات کو ''ادب برائے زندگی'' اور حلقہ ارباب ذوق کے رجحانات کو ''ادب برائے ادب'' کے طور پر دیکھا گیا۔ یہ درست ہے کہ ترقی پسند تحریک کا غالب رویہ زندگی کی خارجی سرگرمی کی طرف تھا۔ اس کے پیچھے اس کے واضح محرکات موجود ہیں۔ برصغیر میں جس وقت ترقی پسند فکر نے پنپنا شروع کیا تو یہ سامراج کی غلامی کا دور تھا۔ برصغیر میں سیاسی اور سماجی بیداری کا دور تھا اور ملک کو بیرونی استعمار کے قبضے سے چھڑانے کی جدوجہد عروج پر تھی۔ اس کے علاوہ عالمی سطح پر روس کے انقلاب کے بعد ترقی پسند فکر کو فروغ حاصل ہوا اور اس کے اثرات ہندوستان میں بھی آئے۔ زندگی کی خارجی سرگرمی سے جڑنا وقت کی ضرورت تھی اور زندگی کے اجتماعی عمل ہی سے انقلابی جدوجہد کو آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ترقی پسند فکر نے بہت جلد اور بڑے پیمانے پر مقبولیت حاصل کی۔ لیکن ترقی پسندوں نے ان سیاسی اور سماجی مقاصد کے حصول کے لیے دیگر ذرائع کے ساتھ ساتھ ادب کو بھی ایک وسیلے کے طور پر استعمال کیا۔ اور اس کے معیارات میں ادبی اور فنی اقدار سے زیادہ نظریے سے وابستگی اور اس کی تشہیر و ترویج کے عناصر نمایاں سمجھے گئے۔ بعض ترقی پسند نقادوں نے واضح طور پر نظریے اور فکر کے پرچار کو فن اور اسلوب سے مقدم گردانا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ادب کا ایک بڑا حصہ نعرے کی شکل اختیار کر گیا۔ دوسری طرف حلقہ ارباب ذوق ایک نسبتاً آزاد پلیٹ فارم تھا جس میں پیش کی جانے والی تحریروں اور ان پر تنقید کے معیارات میں نظریاتی وابستگی کی حیثیت ثانوی تھی اور ادبی و جمالیاتی اقدار بنیادی حیثیت رکھتی تھیں۔ ایسے اذہان جو سیاسی ہنگامے سے کسی قدر الگ ہو کر ادب کو دیکھنے پرکھنے اور اس سے حظ اٹھانے کے طلب گار تھے انھیں حلقہ ارباب ذوق ایک ترجیحی پلیٹ فارم کے طور پر میسر آیا لہٰذا رفتہ رفتہ نظریاتی غیر جانبداری اور فنی، ہیئتی اور جمالیاتی معیارات کی بالادستی حلقے کا ٹریڈ مارک بن گیا۔ حلقے کی مقبولیت کی دوسری وجہ یہ تھی کہ ترقی پسند تحریک کی سیاسی سرگرمیوں پر حکومتی حلقوں کی جانب سے نظر رکھی جاتی تھی اور ایک آویزش کی فضا تھی۔ ایسے لکھنے والے جو سرکاری ملازمت میں تھے اور فعال سیاسی سرگرمیوں میں شامل نہیں ہونا چاہتے تھے ان کے لیے حلقہ ایک بہتر جگہ تھی۔ خود بعض ترقی پسند لکھنے والے بھی حلقے کے جلسوں میں باقاعدگی سے شرکت کرتے تھے۔ اختر ہوشیار پوری اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

> حلقے سے منسلک لوگ دراصل طالب علم تھے، سرکاری ملازم یا ایسے افراد تھے جو سیاست کی براہِ راست ادب میں مشارکت کو پسند نہیں کرتے تھے۔ مگر دوسری طرف وہ حلقے کے کسی حکم کے پابند بھی نہیں تھے۔ ان میں ایسے بھی تھے جن کی آوازوں کو اس دور کی انجمن ترقی پسند تحریک کی آوازوں سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ انفرادی حیثیت میں ہر شخص جو چاہے لکھتا تھا۔ (۵)

''ادب برائے ادب'' کی اصطلاح کو جب ''ادب برائے زندگی'' کے مقابل رکھ کر اس کی تشریح و توضیح کی گئی تو زیادہ تر اس کا مطلب یہ لیا گیا کہ ادب برائے ادب سے مراد ایسا ادبی رویہ ہے جس میں زندگی کی پیکار اور اس کے مسائل سے سروکار نہیں رکھا جاتا یا اس کی طرف توجہ کم ہے اور اس کے مقابلے میں انسان کے مجہول داخلی رویوں کی بات زیادہ کی جاتی ہے۔ یہ ایک طرح

سے فرار کا راستہ ہے اور زندگی کی رزم گاہ سے آنکھیں چرانے کے مترادف ہے۔لیکن دراصل ایسا نہیں۔کوئی لکھنے والا اپنے عہد، اپنی معاشرت اور اپنی خارجی زندگی سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔اوران اثرات کے تحت اس کی تخلیقات میں خارجی زندگی کے مظاہر جلوہ گر ہوتے ہیں۔بات موضوعات یا فکر کی نہیں اس کے اظہار کی ہے۔حلقے کے لوگوں کا مؤقف یہ تھا کہ ادب پارے کو پرکھتے ہوئے سب سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ وہ ادبی اقدار اور ادب کے فنی و جمالیاتی معیارات پر کس قدر پورا اترتا ہے۔یہ معیارات ہی دراصل اس کی ادبی قدر و قیمت کا اندازہ لگانے کا بنیادی وسیلہ ہو سکتے ہیں۔مزید یہ کہ ہر انسان کا زندگی کو دیکھنے پرکھنے کا زاویہ الگ ہے جس میں اس کی شخصیت کی جھلک نمایاں ہوتی ہے۔یہی شخصی زاویہ کسی تخلیق میں انفرادیت پیدا کرتا ہے اور اسے اپنے مصنف کی نمائندہ بناتا ہے۔لہٰذا کسی عقیدے یا نظریے کی بجائے اس میں تخلیق کار کا انفرادی زاویہ زیادہ قابلِ توجہ ہے۔شہرت بخاری اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> اس جماعت نے اپنا مسلک یہ طے کیا کہ ادب کو اول و آخر ادب ہونا چاہیے۔نقطۂ نظر یا عقیدے سے بحث بے معنی ہے۔زندگی مختلف متنوع عوامل اور کیفیات سے عبارت ہے۔ہر شخص اپنی جگہ ایک اکائی ہے۔ہر فنکار زندگی اور اس کے متعلقات کے سلسلہ میں جو بھی رویہ رکھتا ہے، وہ اس کے ذاتی ماحول اور عوامل کا آئینہ دار ہے اور یوں جو ادیب کوئی ادب پارہ تخلیق کرتا ہے وہ اس کی شخصیت کا مظہر ہوتا ہے۔(۶)

اس انفرادیت کے حصول کے لیے حلقے سے وابستہ ادیبوں نے پیرایہ ہائے اظہار میں تنوع کو تلاش کیا۔اس کے لیے اس وقت مغربی دنیا میں مقبول ہونے والی مختلف تحریکوں کی خاص طور پر تقلید کی گئی جن میں تاثریت، علامت نگاری، وجودیت، سرریلزم وغیرہ شامل ہیں۔ان تحریکوں کے اثرات سے پیدا ہونے والے ادبی رویوں میں جو چیز بہت نمایاں تھی وہ یہ تھی ادب میں براہِ راست اظہار نہیں ہونا چاہیے۔اسے کسی قدر اخفا اور پردے کو ملحوظ رکھتے ہوئے بالواسطہ اظہار کا طریقہ اپنانا چاہیے۔اس بالواسطہ اظہار کے لیے استعارہ و علامت بنیادی وسیلے تھے۔انسان کی داخلی کشمکش اور اس کی نفسیاتی الجھنوں کے بیان کے لیے بھی علامت کا وسیلہ بہت کارآمد تھا۔اس کے علاوہ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ فرانسیسی ادیبوں کے ہاں اس کا چلن بہت زیادہ تھا جن سے حلقے کے لکھنے والے بہت متاثر تھے۔لہٰذا حلقے وابستہ تخلیق کاروں کی تحریروں میں ان عناصر کی موجودگی نمایاں طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔فکری انفرادیت کے ساتھ ساتھ اسلوب کی انفرادیت کے لیے نئی ہیئتوں کو فروغ حاصل ہوا اور کئی نئی ہیئتیں اور نئی اصنافِ ادب متعارف ہوئیں۔ڈاکٹر علی محمد خاں اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> حلقے نے اپنے لیے نئی علامات، نئے تلازمات اور نئے موضوعات کو منتخب کیا۔ہیئت اور اسلوب کے بارے میں نئے تجربات کیے اور ادب و شعر کے معیار کو پرکھنے کے لیے اپنے جلسوں میں خالص ادبی اور نفسیاتی نقطۂ نظر سے تعمیری تنقید کا طریقہ اپنایا۔(۷)

لیکن ''ادب برائے ادب'' کے اس رویے کا ایک دوسرا رخ بھی ہے۔ادبی انفرادیت کے حصول کی کوشش میں بعض تخلیق کاروں کے ہاں یہ علامتی اور تجریدی انداز اس درجہ حاوی ہوا کہ انھوں نے ایسی علامتیں وضع کیں جن کو نجی اور ذاتی علامتیں کہا جاتا ہے اور جن کو سمجھنے کے لیے تخلیق کار کی ذاتی زندگی، سوانح، اس کے حالات و واقعات، اس کے عہد کی پیچیدگی اور کشمکش اور

دیگر لوازمات کا ادراک ضروری تھا۔اس ادراک کی غیر موجودگی میں ان کا لکھا ہوا ابہام کا شکار نظر آتا تھا۔ اور اپنی بعض شکلوں میں تو سارے فہم وادراک کے باوجود فن پارے کے گرد لپٹی ابہام کی دھند چھٹتی نہ تھی۔ لہٰذا اوسط درجے کے قاری کے لیے ایسے ادب سے حظ اٹھانا مشکل ہو گیا۔ لکھنے والوں کا موقف یہ تھا کہ یہ تخلیق کار کا کام نہیں کہ وہ قاری کے لیے قابلِ فہم ہو بلکہ یہ قاری کا کام ہے کہ اپنی علمی اور ذہنی سطح بلند کرے تاکہ وہ تفہیم تک پہنچ سکے۔لہٰذا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قارئین کا ایک بہت بڑا طبقہ جو ادب کو ذہنی ورزش کی بجائے تفریح یا عام ذوق کی تسکین کے لیے پڑھتا ہے، اس ادب سے دور ہونے لگا اور ترقی پسندوں کے نسبتاً عام فہم یا بازاری مقبول عام ادب کی طرف جانے لگا۔

اعتدال سے تجاوز کرتی ہوئی بعض مثالوں کے باوجود حلقہ ارباب ذوق نے ایک تحریک اور ایک پلیٹ فارم کے طور پر ادب کی بنیادی اقدار اور جمالیاتی معیارات کے فروغ کے لیے بڑا کام کیا۔اس کے لکھنے والے زندگی سے دور نہ تھے اور ان کے ہاں عصری شعور اور زندگی کے معاملات و مسائل کا ادراک اور ان کا تجزیہ بھی نظر آتا ہے اور رزم گاہِ زندگی میں شمولیت بھی۔تاہم ان کی اولیت فن اور ادب رہا اور انھوں نے اردو ادب میں طرزِ اظہار کی جدتوں اور اسالیب کی طرف نئے دریچے کھولے۔

حوالہ جات:

۱۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی تحریکیں''، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۱۹۸۸ء، ص ۵۳۷

۲۔ شیر محمد اختر بحوالہ یونس جاوید، ڈاکٹر، حلقہ اربابِ ذوق: تنظیم، تحریک، نظریہ، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۰۳ء، ص ۳۸

۳۔ یونس جاوید، ڈاکٹر،'' حلقہ اربابِ ذوق: تنظیم، تحریک، نظریہ، ص ۴۷، ۴۸

۴۔ رشید امجد، ڈاکٹر، میرا جی: شخصیت اور فن، نقش گر پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۰۶ء، ص ۱۰، ۱۱

۵۔ اختر ہوشیار پوری بحوالہ اعجاز راہی، ڈاکٹر، حلقہ اربابِ ذوق (مضمون) مشمولہ پاکستانی ادب، تنقید (پانچویں جلد)، مرتبہ: ڈاکٹر رشید امجد، فاروق علی، فیڈرل گورنمنٹ سر سید کالج، راولپنڈی، ۱۹۸۲ء، ص ۳۸۷

۶۔ شہرت بخاری، بحوالہ اعجاز راہی، ایضاً

۷۔ علی محمد خاں، ڈاکٹر، لاہور کا دبستانِ شاعری، مقبول اکیڈمی، لاہور، ۱۹۹۲ء، ص ۲۰۶